ڈاکٹر سلیم اختر اور تہذیب و ثقافت کے مباحث

ڈاکٹر نبیل احمد

Abstract:

After the creation of Pakistan, the Urdu literary critics who penned down the identity of Pakistan and tried to establish Pakistani culture in their writings, one cannot ignore the works of Dr. Saleem Akhter a renowned researcher, fiction writer and a critic of various aspects. His book entitled 'literature and culture' reflects his profound view point on the subject of culture, civilization and their relation with nationhood and state entity. He is of the view that like nationality, the culture of a nation springs from the identity of that nation that is why it reflects the aspirations and wishes of the people comprising the nation. The people who want to establish their identity and who feel proud of their country, have to constitute their culture. Unfortunately in Pakistan racialism, provincial prejudices, territorial narrow-mindedness hatred and biases have been prevailing, which should be set aside. In America people have mixed various cultures (local cultures) into one national culture, following this example people of Pakistan can also merge their local cultures into a single and sound national culture. Dr. Saleem Akhter also draws the attention of the readers towards the role of political supremacy in the development of culture. The political power in a country has a strong impact on the culture of the nation, the slave nations are bound to follow the footsteps of their strong rules. This is alarming especially when some nations remain in the intellectual and mental slavery of the colonial administrators, even after the independence. Preserving the culture means setting free the soul and spirit of one's nationhood. Globalization and political interference of America have tried to attack the

concept of federation of the third world countries on one hand and the fast changing world scenario has shaken the purity of cultures of the poor nation. In these circumstances, Pakistan has to struggle hard for the life and soul of its culture and the creative artists and writers should strike for the preservation of their nationhood and cultural identity.

ڈاکٹر سلیم اختر 11 مارچ 1934ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا شمار اُردو زبان و ادب کی ممتاز ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ متعدد جہات کے حامل نقاد، محقق اور فکشن رائٹر ہیں۔ اُردو میں نفسیاتی نقاد کے طور سے ان کی ایک مخصوص و منفرد پہچان ہے۔ اُنھوں نے متعدد تنقیدی تصانیف حوالۂ قلم کی ہیں۔ ان کی باکمال تخلیقی و تنقیدی شخصیت کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے تہذیب و ثقافت کی صورت حال کا بالغ نظری اور عمق کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ ان کی ناقدانہ بصیرت میں عمیق نظری اس لیے بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ چوں کہ انھوں نے دنیا کے متعدد ممالک کے اسفار کیے اور وہاں کی تہذیبی و ثقافتی صورت حال اور معاشرتی زندگی کو نہایت گہرائی اور گیرائی سے اپنی بصیرت کا حصہ بنایا ہے۔ وہ مظاہر کے بطن میں اترنے کا ملکہ اس لیے بھی رکھتے ہیں کہ وہ نہایت وسیع المطالعہ محقق و نقاد اور تخلیق کار ہیں۔ وہ اشیا و مظاہر کا نہایت عمدگی سے نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں۔ انھوں نے امریکہ، ڈنمارک، ماریشس، دوبئی، قطر، چین اور ہندوستان جیسے ممالک کے اسفار کیے اور وہاں کی تہذیبی و ثقافتی اور معاشرتی زندگی کو جس قدر قریب سے دیکھا ہے۔ اس کا اندازہ ان کی متعدد عالمانہ تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے افسانوی ادب سے بھی ان کی عالمانہ شخصیت کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ ادق سے ادق مسائل کو نہایت سہولت کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی خاص طور سے ایک عطا یہ بھی ہے کہ انھوں نے اُردو دنیا کو نفسیاتی تنقید کی فہم عطا کرنے کے لیے نہایت عام فہم پیرائے میں متعدد مضامین اور کتب حوالۂ قلم کیں۔

ان کی متعدد جہات میں سے نفسیاتی نقاد، ممتاز ماہر لسانیات کے ساتھ ساتھ ماہر اقبالیات کی بھی ہے۔ ان کی تحریروں اور اُسلوب کا خاص وصف یہ بھی ہے کہ ان کے تخلیقی وژن میں ذکاوت کا پہلو خاص طور سے توجہ طلب ہے۔ وہ تہذیب و ثقافت جیسے ادق اور پیچیدہ مباحث پر لکھتے ہوئے اپنی تحریروں کو بوجھل یا ثقیل نہیں ہونے دیتے بلکہ وہاں بھی ان کے اُسلوب میں سبک روی اور ذکاوت کا پہلو ان کی تحریر کو دلکش اور جاذب نظر بناتا ہے۔ وہ نہایت عام فہم پیرائے میں پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث کو آسان بنا کر پیش کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ تہذیب و ثقافت کے مباحث میں جہاں بہت سی پیچیدگیاں اور ابہام کے پہلو موجود رہے ہیں۔ وہاں انھوں نے ان پیچیدگیوں اور گتھیوں کو سُلجھانے کی کامیاب کاوش کی ہے۔ یہ سب ان کی عالمانہ نظر، وژن کی گہرائی و گیرائی اور ادراک میں وسعت کے سبب ہُوا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستانی کلچر اور پاکستان کے تشخص کے کارن جہاں محمد حسن عسکری، ڈاکٹر جمیل جالبی

جیسے ناقدین نے مذکورہ مباحث پر قلم اٹھایا تو ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی مذکورہ مباحث کی تفہیم کو ضروری خیال کیا۔ انھوں نے پاکستانی کلچر کی صورت حال پر بسیط مقالات حوالۂ قلم کیے جوان کی تصنیف 'ادب اور کلچر' میں شامل ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو اُن کی ایک جہت (Cultural Critic) ثقافتی نقاد کی بھی ہے۔ انھوں نے مذکورہ مباحث پر قلم اٹھاتے ہوئے ہمیشہ دیانت فکر و عمل کا ثبوت دیا ہے جس کا اندازہ ان کی تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی تحریروں میں پیچیدہ قضیوں کو استدلال و منطق سے سُلجھانے کی صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ ایک نہایت سنجیدہ نقاد ہیں۔ انھوں نے تہذیب و ثقافت کے مباحث کو سماجی اور ادبی سیاق و تناظر میں منطقی طور پر مربوط انداز سے نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ وہ ان کے نتائج بھی کماحقہ دلائل و براہین کے ساتھ منصۂ شہود پر لائے ہیں۔

تہذیب و ثقافت کی اصطلاحات کے ساتھ تمدن کی اصطلاح بھی اُردو میں بیش تر ناقدین نے استعمال کی ہے۔ مذکورہ اصطلاحات کو اُردو میں Interchangeably بھی استعمال کیا گیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنے آرٹیکل 'پاکستانی کلچر کا مسئلہ' مشمولہ 'ادب اور کلچر' میں اس امر کی طرف توجہ بھی دلائی ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''ویسے کلچر کے مفہوم میں ثقافت یا تمدن کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کوئی انھیں درست کہتا ہے تو کوئی غلط! ثقافت اپنے محدود معنی میں فنون لطیفہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے، لیکن جب اس کے معانی میں وسعت پیدا کر دیں تو یہ زندگی کی کئی جہات پر حاوی ہو کر اس ذہنی ارتقا اور فکری ارتفاع کا مظہر بن جاتا ہے جو کسی قوم میں مختلف تاریخی ادوار میں متنوع انداز سے جلوہ نما ہوتے رہتے ہیں جب کہ اس کے برعکس تمدّن بالعموم طرزِ بود و ماند وغیرہ کے لیے آتا ہے، شاید اسی لیے ہمارے یہاں متمدن اور مہذب ملتے جلتے معانی میں استعمال کیے جاتے ہیں''۔(۱)

ڈاکٹر سلیم اختر کے نزدیک کلچر ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے مفاہیم وسعت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع ابعاد کے حامل بھی ہیں اور مذکورہ اصطلاح کا تعلق ذہن و فکر اور انسانی داخلی صورتِ حال سے ہے۔ کلچر کی اصطلاح میں قوموں کی تاریخ، ذہن و فکر تمام عناصر و عوامل اور مظاہر شامل ہیں۔ اُن کے نزدیک کلچر درحقیقت سوسائٹی کی ہی تخلیق ہے اور سوسائٹی کے مختلف افراد اور مختلف طبقات اپنے کلچر کی نمائندگی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ کلچر کے مختلف تفاعل اور متعدد جہات ہیں جو کسی بھی سوسائٹی کی آئینہ داری کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ کلچر یا سوسائٹی کے اندر ایجوکیشن کا بھی ایک اہم تفاعل ہے۔ تعلیم کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعے ثقافتی ورثے کا تحفظ اور منتقلی کا عمل کسی بھی سوسائٹی کے اندر جاری و ساری رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی زندگی کی تشکیل نو کا عمل بھی تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ اس طرح فرد کی ضروریات پورا کرنے کے تفاعل میں کسی کلچر یا سوسائٹی کے اہم ترین وظائف شامل ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی تنقیدی بصیرت اور ثقافتی نظریات کی روشنی میں اس امر کی وضاحت نہایت عمدگی اور استدلال و استنباط کے ساتھ ہوجاتی ہے کہ کلچر کوئی جامد و ساقط عنصر نہیں ہے بلکہ کلچر تو

تحرک سے عبارت ہے۔ کلچر ہی کے تفاعل میں یہ عنصر میں شامل ہے کہ کسی بھی سوسائٹی میں ایجوکیشن جو کلچر کا اہم ترین عنصر ہے، ایجوکیشن کے ذریعے الفاظ کے مفاہیم بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح زبان جو کلچر کا ایک اہم ترین عنصر ہے اور جو وسیلۂ اظہار بھی ہے، اس میں بھی تحرک کا عنصر کلچر ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے جو کسی بھی مخصوص تناظر کے ساتھ مفاہیم اور تعبیر و تجزیات کو نئی صورت حال اور سیاق سے ہم کنار کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کسی بھی کلچر کے اندر زبان جو ادب کی تخلیق اور سوسائٹی میں اظہار کا اہم ترین وسیلہ ہے، اس میں نئے الفاظ جنم لیتے رہتے ہیں اور جو الفاظ سوسائٹی کے زیرِ استعمال نہیں رہتے وہ متروکات کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس طرح بذریعہ تعلیم (وہ زبان و ادب کی تعلیم ہو یا پھر سماجی سائنسوں اور طبعی سائنسوں یا ٹیکنالوجی کی تعلیم ہو) کلچر یا سوسائٹی میں سماجی زندگی کی تشکیل نو کا عمل جاری و ساری رہتا ہے اور سماجی زندگی ہر سطح پر تحرک کے عمل سے عبارت رہتی ہے۔ اگر کوئی کلچر اپنے نظام تعلیم کے ذریعے اپنے ثقافتی ورثے کے تحفظ اور منتقلی کا فریضہ سرانجام نہیں دیتا تو پھر بیرونی کلچر یلغار کرتے ہیں اور کمزور ثقافتوں کی داخلی یا اندرونی سطح کو تبدیلی کے عمل سے دوچار کرنے کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جو کسی بھی قوم یا خطے کے لوگوں کے ذہن و فکر کو دو چار نسلوں کے بعد اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے یا پھر بدل کے رکھ دیتا ہے۔

درحقیقت معاشرہ ہی کلچر کو تخلیق کرتا ہے اور پھر کلچر ایک سطح پر پہنچ کر اسی سوسائٹی اور اس کے اندر موجود مختلف طبقات کی تمام تر صورتِ حال کی ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستانی کلچر کے ضمن میں نہایت اہم بات حوالۂ قلم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''دراصل وطنیت اور قومیت کی مانند کلچر کا احساس قومی تشخص کے سرچشمہ سے پھوٹتا ہے اور اسی لیے یہ قوم کی دلی اُمنگوں اور آرزوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ قوم جو اقوام عالم میں انفرادیت منوانے کی خواہاں ہو، وہ قوم جسے بہ حیثیتِ قوم اپنے ملک پر ناز ہو اور وہ قوم جو دُنیا میں مخصوص قسم کا قومی شعار اپنانا چاہتی ہو، صرف وہی قوم اپنے لیے 'اپنا' کلچر تشکیل کر سکتی ہے۔ کلچر محض حال کا گریز پا لمحہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ماضی کے تہ در تہ تجربات کا امین ہونے کی بنا پر مستقبل کے لیے سمت نما کا رُوپ بھی اختیار کر لیتا ہے''۔ (۲)

ڈاکٹر سلیم اختر نے کلچر کے ضمن میں نہایت بنیادی بات حوالۂ قلم کی ہے کہ کلچر کے متشکل ہونے میں متعدد عناصر و عوامل اور مظاہر کارفرما ہوتے ہیں اور خاص طور سے 'کلچر قومی تشخص کے سرچشمہ' ہی سے پھوٹتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کلچر کسی بھی قوم کی آرزوؤں، دلی امنگوں اور آدرشوں کا ترجمان اور آئینہ دار ہوتا ہے۔ اُنھوں نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ امر درحقیقت کسی بھی سوسائٹی کے انسانوں کی داخلی و فکری یا ذہنی صورتِ حال کی آئینہ داری کرتا ہے۔ کلچر درحقیقت جن عناصر و عوامل اور مظاہر سے متشکل ہوتا ہے، اُن میں داخلی و فکری یا ذہنی صورت حال خاص طور سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ کلچر کے عناصرِ ترکیبی میں زبان، کسی بھی ملک کا جُغرافیہ، مذہب، معتقدات، تاریخ، فنونِ لطیفہ (آرٹ)، ادبیات، فکر و فلسفہ کو بنیادی مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ کلچر میں لین دین کا عمل

بھی جاری رہتا ہے۔ اسی طرح کلچر کے اندر اقدار، روایات، رسومیات، فنونِ لطیفہ، اعتقادات، نفسیاتی عناصر و عوامل، زبان و ادب وغیرہ بھی تحرک کے عمل کو جاری و ساری رکھتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی کلچر پر مذہب کے اثرات کا بھی اپنا ایک عمل دخل دیکھنے کو ملتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جغرافیہ اور تاریخ کے تفاعل سے بھی مفر ممکن نہیں۔ اس طرح ہر کلچر بیرونی عناصر وعوامل سے بھی اثرات کشید کرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اس امر کی طرف نہایت اختصار سے اشارہ کیا ہے کہ کلچر ماضی کے عمیق اور تہ در تہ تجربات کی منتقلی کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ درحقیقت کسی بھی ملک کا کلچر اس قوم کے قومی شعار سے تشکیل ہوتا ہے اور اس قوم کے مستقبل کی راہوں کا درست سمت میں واضح انداز سے تعین بھی کرتا ہے۔ اسی طرح کلچر میں جذب و انجذاب کا عمل بھی جاری و ساری رہتا ہے جو سماجی زندگی کو قوسِ قزح کے رنگ عطا کرنے کے ساتھ ایک منفرد تشخص بھی عطا کرتا ہے جو کسی بھی قوم کی آئینہ داری اور ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستانی کلچر کے ضمن میں بالکل درست لکھا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ پاکستان میں مختلف ثقافتیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو درحقیقت مختلف رنگوں سے عبارت ہونے کے ساتھ ساتھ بوقلمونی کی کیفیت سے مالا مال ہیں۔ ویسے بھی کلچر میں خالص پن کے عنصر کا نہ ہونا ایسے ہی ہے جیسے کسی نسل کا خالص نہ ہونا ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ تاریخ کے کئی موڑ، کئی دھارے اپنے بطن میں نیا فلسفہ، نئی ٹیکنالوجی، نئے میلانات و رُجحانات لے کر آتے رہتے ہیں جس سے کلچر یا سوسائٹی کی صورتِ حال میں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ باوجود اس سب کے جغرافیہ صورتِ حال کے نہ بدلنے کی صورت میں تہذیبی یا خارجی سطح پر حد بندی کا سلسلہ جُوں کا تُوں رہتا ہے۔ اسی لیے جغرافیہ جس میں موسموں کی صورتِ حال، آب و ہوا، جنگل، پہاڑ، میدان، طور طریقے، لباس، تہوار، میلے ٹھیلے وغیرہ مذکورہ تمام عناصر وعوامل اور مظاہر کلچر کی صورتِ حال پر مجموعی طور پر اپنے اثرات مرتب کرتے رہتے ہیں۔ انسانی تاریخ یا اقوام کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب اعتقادات، مذاہب، ذہنی آرزوئیں، دلی امنگیں، آدرش، عبادات کے اطوار اور رسوم و رواج کلچر پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر ایسا وقت بھی آتا ہے جب کلچر مذکورہ تمام عناصر وعوامل اور مظاہر کا ترجمان اور آئینہ دار بن کر اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے کو جاری و ساری رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی کلچر کے انسانوں کی مجموعی صورت حال کی عکاسی مخصوص کلچر یا ثقافتوں کے ذریعے ہوتی ہے اور کسی بھی کلچر میں انسانی اقدار جو کسی جماعت یا گروہ کا تشخص ہوتی ہیں۔ وہ اپنی معروضی صورت حال کو واضح شکل اور پہچان عطا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی سوسائٹی کے افراد کے جذبات، میلانات و رُجحانات اور احساسات اور طور طریقوں اور اثرات و نتائج کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ عناصر وعوامل کسی بھی معاشرے کے کلچر کی صورت میں مادّی زندگی کی صورت حال پر بھی اپنے اثرات نمایاں طور سے اُجاگر کرتے ہیں۔ اس طرح کسی بھی گروہ کے کلچر کی مجموعی صورتِ حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو کسی بھی گروہ کی داخلی وفکری یا ذہنی صورتِ حال کی آئینہ داری یا عکاسی کرتا ہے۔ پاکستانی کلچر کے تناظر کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستانی سوسائٹی اور یہاں کے کلچر اور ذہن وفکر میں مذہب اور مابعد الطبیعیات اور تصوف ایسے عناصر پر بھی استدلال و استنباط سے تحریر کیا ہے کہ مذکورہ عناصر پاکستانی معاشرے کے افراد کی زندگی پر کس

طرح دُور رس اثرات مرتب کرتے رہے ہیں اور عاشق کس طرح خدا سے قُرب و وصل کے مراحل طے کرتا ہے اور کس انداز سے پیری مریدی کا سلسلہ افرادِ معاشرہ کی نفسیاتی صورتِ حال کو کنٹرول کرتا ہے اور افرادِ معاشرہ کو اوہام ایسی فرسودہ و لایعنی روایات کا اسیر بناتا ہے۔ اس طرح انھوں نے کلچر میں مذہب کی غیر اسلامی تعبیرات کو پیش کیا ہے اور مذہب کی غیر اسلامی صورتِ حال کو پاکستانی سوسائٹی کے ایک مخصوص طبقے کے ذہن وفکر کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے جس صورت حال کے پیشِ نظر 'پاکستانی کلچر' کے نمایاں خدوخال اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ وہ درحقیقت پاکستانی سوسائٹی کی وہ آئیڈیالوجی ہے جس کے زیر اثر فیڈریشن کا تصور کمزور پڑتا ہے، جس سے پاکستانی کلچر درحقیقت علاقائی صورتِ حال کو جنم دیتا ہے نہ کہ قومی سطح پر قومی صورتِ حال کی نمایندگی کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''آج ہمارے ہاں قومیت، صوبائی عصبیت، علاقائی تنگ نظری اور نفرت وحقارت کا دوسرا نام ہے۔ یہی احساس تھا جس نے بنگلہ دیش کو جنم دیا اور اسی احساس کے تحت اب چار قومیتوں کا تصور حسّاس اذہان کے لیے کابوس بن چکا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانیت کے نقطۂ نظر سے چاروں صوبوں میں افہام وتفہیم پیدا کی جائے۔ یہ کام سیاست دانوں کی تقریروں سے تو ممکن نہیں، البتہ کلچر کی سطح پر ممکن ہوسکتا ہے۔ اگر امریکہ میں مختلف النوع کلچرز کی آمیزش سے کلچر کا ایک نیا انداز جنم لے سکتا ہے تو ہمارے ہاں کیا چاروں صوبوں کے کلچر کے ملاپ سے نیا پاکستانی کلچر صورت پذیر نہیں ہوسکتا؟ اس طرح جنم لینے والا کلچر یک رنگ نہ ہوگا بلکہ گلدستہ کی مانند بوقلمونی اساسی صفت قرار پائے گی۔ گلدستہ کے اجزا الگ کردیں تو باقی محض پھول رہ جاتے ہیں، لیکن ان میں حُسنِ ترتیب سے جو گلدستہ بنتا ہے، وہ دیدہ زیب ثابت ہوتا ہے''۔ (۳)

مذکورہ افکار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر سلیم اختر پاکستانی کلچر کی تشکیل کے خواہاں ہیں اور مزید یہ کہ وہ علاقائی تعصّبات اور نفرت وحقارت کے شدید مخالف ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ پھر بنگلہ دیش جیسی صورت حال پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امریکہ کے فیڈریشن کے تصور کو ایک بہتر مثال کے طور سے پیش کرتے ہیں اور وہاں کلچر کی بوقلمونی اور رنگا رنگی کو امریکی کلچر کی صورت میں کلیت اور مربوطیت میں نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ سراہتے بھی ہیں اور اسی طرح پاکستانی کلچر کی مربوطیت، بوقلمونی اور رنگا رنگی کے بھی قائل ہیں، جہاں نفرتوں کے بجائے محبتیں ہی محبتیں ہوں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے 'پاکستانی کلچر' پر قلم اُٹھایا اور اُنھوں نے تاریخی، جُغرافیائی اور سماجی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ دیگر ثقافتوں کی مجموعی صورتِ حال کے تقابلی مطالعات بھی کیے ہیں، بالخصوص امریکی کلچر کی مجموعی صورتِ حال کو بھی ملحوظِ نظر رکھا ہے۔ مذکورہ امر اُن کی وسعتِ نظری اور وسعتِ مطالعہ ومشاہدہ اور تجربات کی تہ داری کا بین ثبوت ہے۔ انھوں نے تاریخی وجُغرافیائی تناظر میں بھی برِصغیر کی سماجی وثقافتی صورتِ حال کو آئینہ کیا ہے۔ انھوں نے دراوڑ

کلچر اور اس کے بعد آریائی کلچر کی آمیزش کا بھی تجزیہ کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ یہاں بھی اُن کے قلم کی دیانت اور فکر و عمل میں ان کی عالمانہ بصیرت و ادراک اور وژن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی باور کروایا ہے کہ فاتحین کا کلچر ہی مفتوحین پر اپنے اثرات مرتب نہیں کرتا بلکہ مفتوحین کا کلچر بھی فاتحین کے ذہن وفکر اور کلچر پر اپنے دُور رس نقوش چھوڑتا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے دراوڑ کلچر کے اثرات کا آریائی کلچر کے حوالے سے تجزیہ بھی پیش کیا ہے کہ دراوڑ زبان کے متعدد الفاظ آریاؤں کی زبان میں بھی راہ پاگئے۔ اس طرح ان کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ دو اقوام کے اذہان و افکار کے اختلاط و اتصال سے ایک نئے کلچر نے جنم لیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''خود آریہ بھی صحیح معنوں میں 'ہندوستانی' بن گئے تو مسلمان وارد ہوئے۔ گو ابتدا میں یہ بھی الگ تھلگ رہے، لیکن اکبر نے پہلی مرتبہ اس بندھن کو توڑنے کی کوشش کی اور یوں مسلمان بھی 'ہندوستانی' بن کر رہنے لگے۔ مسلمان حکمرانوں کے زیرِ اثر اور دربار داری کے تقاضوں کی بنا پر پہلے ہندو درباریوں نے اور بعد ازاں عام آبادی نے بھی مسلمانوں کے لباس وغیرہ کو اپنا لیا، لیکن فلسفہ، فنونِ لطیفہ، علوم اور فنون وغیرہ کی صورت میں خُود مسلمان بھی ہندوؤں سے بہت کچھ سیکھ رہے تھے۔ یوں دونوں قوموں کے اس تہذیبی سنگم سے ہند ایرانی کلچر نے جنم لیا، جس کی علامت کلس میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ کلس ہندوؤں کے مندروں کا نشان تھا مگر مسلمانوں کی مسجدوں اور مقبروں کے گنبدوں پر جگمگایا۔ عام زندگی میں ملبوسات، توہمات اور مذہب کے زمینی پہلوؤں کی صورت میں اس کلچر کی کارروایوں کا آج بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے''۔ (۴)

ڈاکٹر سلیم اختر نے درحقیقت تاریخی، نفسیاتی اور جغرافیائی صورتِ حال کے پیشِ نظر دراوڑ اور آریائی کلچرز کے ملاپ سے نئے کلچر کے جنم اور پھر بعد میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ایک نئے کلچر کے جنم کے تصور کو پیش کیا ہے جو بیرونی عناصر و عوامل اور اندرونی و داخلی ذہن وفکر کی آمیزش سے لین دین کے نتیجے میں پیدا ہوا اور بنیادی عنصر تاریخ، انسانی نفسیات کے ساتھ ساتھ جغرافیائی صورتِ حال کو ہی قرار دیتے ہیں کہ جس کے سبب تمام بیرونی اور اندرونی عناصر و عوامل ایک دوسرے سے ہم آہنگی اختیار کرنے لگے اور آخر کار ہندوستان کی بُو باس، آب و ہوا میں رچ بس گئے اور یہ رچاؤ ان کی سماج زندگی اور اُس کے اطوار اور سبھاؤ میں بھی ہندوستانیت کی صورت میں نمودار ہو کر ایک ایسے کلچر کو جنم دیتا ہے جسے ڈاکٹر سلیم اختر 'ہند ایرانی کلچر' کا نام دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ انھوں نے اکبر کے دور کو ہندوستانی کلچر میں نہایت اہمیت کا حامل قرار دیا ہے جس میں لباس کی سطح پر ہندوؤں نے مسلمانوں سے اثرات قبول کیے اور دوسری سطح پر مسلمانوں نے فلسفہ، فنون لطیفہ، علوم و فنون کے حوالے سے مقامی لوگوں سے اکتساب کے سلسلے کو جاری رکھا۔ ڈاکٹر سلیم اختر مذکورہ سماجی زندگی کے امتزاج سے جنم لینے والی صورتِ حال میں تمام عناصر و عوامل اور مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں اور تہذیبی یا خارجی سطح پر لین دین کا جائزہ بھی حوالۂ قلم کرتے ہیں کہ کس طرح دو طبقاتی سماج نے ثقافتی سطح پر ایک دوسرے سے لین دین کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اس ضمن میں وہ 'کلس' کی مثال کو نمایاں انداز سے پیش کرتے ہیں کہ ہندو سماج میں 'کلس' کس طرح مسلمانوں کی مساجد کے میناروں کی

زینت بنا اور کس طرح کلچر میں ہم آہنگی، رنگا رنگی اور بوقلمونی کا عمل ایک نئے انداز اور نئی صورتِ حال میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انھوں نے عام زندگی میں ذہنی وفکری سطح پر لین دین کے عمل کو کس طرح جاری و ساری رکھا ہُوا ہے۔ اس کی طرف ملبوسات سے لے کر مذہب، اعتقادات اور توہمات تک کی صورتِ حال کو آئینہ کیا ہے۔

پھر اس کے بعد انگریزوں کی عمل داری کا بھی نہایت حسن وخوبی سے تجزیہ کیا ہے اور اکبر الہ آبادی کے مزاحمتی رویے کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ سرسید کے مفاہمتی رویے کو بھی نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے سرسید کے حوالے سے حکمرانوں کے کلچر کی اہمیت کو بھی آئینہ کیا ہے اور فاتحین اور مفتوحین کی ثقافتی صورتِ حال کو بھی سرسید دور کے سیاق میں واضح کیا ہے۔ وہ تمام عناصر وعوامل جو کلچر کی تشکیل وتعمیر میں معاون ہوتے ہیں یا پھر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ دراصل کلچر کی تشکیل میں سیاست، معیشت اور سیاسی صورت حال کو بھی نہایت اہم تصور کرتے ہیں۔ وہ عناصر خواہ سیاسی ہوں یا معاشی۔ اُن عناصر وعوامل کے ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر غلام اور فاتح اقوام کے نفسیاتی اور ثقافتی عناصر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دراصل کلچر کی تشکیل اور فروغ میں سیاسی حالات اساسی کردار ادا کرتے ہیں۔ حکومت اور اقتدار کی وجہ سے حکمران قوم بھی افضل اور اُن کا کلچر بھی قابلِ تقلید قرار پاتا ہے۔ غلام قوم مضمحل قومی قُویٰ کی بنا پر حکمران تو نہیں بن سکتی، وہ اُن کی مانند اقتدار تو حاصل نہیں کرسکتی، لیکن وہ کم از کم اپنے آقاؤں کے نقشِ قدم پر تو چل سکتی ہے۔ خواہ وہ اپنے آقاؤں سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ اُن سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد بھی کررہے ہوں، لیکن جہاں تک عوام کی ذہنی مرعوبیت کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ آج کے دور میں اب حکومت اور غلامی کے انداز بھی تبدیل ہوچکے ہیں اور چند ممالک سے قطع نظر باقی تمام دنیا آزاد ہے۔ اس لیے اب غلامی سیاسی نہیں ذہنی ہوتی ہے۔ اس ذہنی غلامی میں بڑھتے ہوئے ذرائع نقل و حمل سے اور بھی زیادہ اضافے کے امکانات ہوتے ہیں''۔ (۵) (ص۔ ۳۱۴)

ڈاکٹر سلیم اختر کا تجزیہ حقیقت پر مبنی ہے۔ انھوں نے کلچر کے جن عناصر کی نشان دہی آزادی اور اقوام کی غلامی کے تناظر میں کی ہے اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی سماجی زندگی کی صورتِ حال اور اس کے تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس سے اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔ انھوں نے بالکل درست سمت میں لکھا ہے اور انسانوں کی غلامی میں نفسیاتی محرکات کا تجزیہ حقائق کی بنیاد پر کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر کا نقطۂ نظر خالصتاً حقیقت نگاری کی طرف انسانی ذہن کو لے جاتا ہے۔ جہاں واقعی جسمانی غلامی کی صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے اور ذہنی و ثقافتی غلامی کا سلسلہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جارہا ہے۔ ایسے میں ٹیکنالوجی کی یلغار نے کلچر کو ایک نیا رُخ دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صدیوں سے چلی آرہی روایات اور اقدار کو بھی تبدیل کرکے رکھ دیا ہے۔ اس کی مثال انٹرنیٹ کی صورت میں دی جاسکتی ہے۔ جہاں ہر چیز Privacy اختیار کرچکی ہے۔ جہاں کوئی کسی کی سلطنت میں مداخلت نہیں کرسکتا، ماسوائے اس فرد کے جو ٹیکنالوجی کا استعمال کررہا ہے یا پھر جس نے ایجاد کی ہے۔ اس طرح یورپین کلچر

نے دنیا کی صورتِ حال، روایات اور اقدار کو بڑی حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ 'پاکستانی کلچر' کے ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر جس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ وہ حقیقت پر مبنی فکر کی عکاسی اور ترجمانی کا انداز اپنائے ہوئے ہے۔ اس حوالے سے انھی کے نقطۂ نظر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

> ''اصل مسئلہ یہ نہیں کہ پاکستانی کلچر کیسے وجود میں آیا بلکہ میرے خیال میں تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس ملک میں کیا واقعی پاکستانی کلچر نام کی کوئی شے موجود ہے کیوں کہ مجھے تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے:
>
> ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے''۔ (۶) (ص۔۳۱۶)

کلچر کی تشکیل میں ڈاکٹر سلیم اختر کا ایک خاص نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ سیاسی حالات کلچر کے فروغ میں نہایت اہم کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ کسی بڑی معیشت کے معاشی طور پر کمزور ممالک کی ثقافتوں پر براہِ راست اثرات کی جانب بھی توجہ دلاتے ہیں اور اس حوالے سے امریکہ کے تعاون سے دنیا کے نصف سے زیادہ ممالک کے بجٹ کو متوازن کرنے کی مثال حوالۂ قلم کرتے ہیں اور پاکستان پر امریکہ کے سیاسی سطح پر اثرات اور سیاسی امور میں مداخلت کی صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مختلف شعبہ ہائے زندگی میں امریکی اثرات کو بھی واضح انداز سے پیش کرتے ہیں۔ خاص طور سے لباس اور موسیقی کے شعبے کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ دنیا کی ثقافتوں کو جس شدت کے ساتھ امریکی ٹیکنالوجی نے متاثر کیا ہے اور ذہن وفکر کو جس انداز سے تبدیل کیا ہے یا کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ اس سے پاکستان میں کلچر کی صورتِ حال پر بھی گہرے اور دُور رس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ امریکہ جس انداز سے دیگر ممالک کے سیاسی امور میں مداخلت کر رہا ہے، وہ بالخصوص تیسری دُنیا کے ممالک میں فیڈریشن کے تصور پر بھی کاری ضرب لگا رہا ہے اور علاقائی ثقافتوں کے فروغ پر تمام تر قوتیں صرف کر رہا ہے۔ بدلتی ہوئی عالم گیریت کی صورت حال اور حالات میں کوئی بھی کلچر اپنی اصل ہیئت میں محفوظ نہیں ہے اور نہ ہی ٹیکنالوجی کے زیرِ اثر بدلتی ہوئی صورتِ حال کے آگے کوئی بندھ باندھنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ پاکستان کے تناظر میں مذکورہ صورتِ حال خاص طور سے توجہ طلب ہے۔ پاکستان میں مختلف قومیتوں اور نسلوں کے لوگ صدیوں سے آباد چلے آ رہے ہیں، جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کے سبب اپنا اپنا تشخص رکھتے ہیں جنھیں مذکورہ قومیتوں کی امتیازی صفات یا خصوصیات کہا جاسکتا ہے۔ پھر یہ کہ مذکورہ مختلف قومیتیں یکجا انداز سے پاکستانی قومیت اور تہذیب و ثقافت کی تکمیل کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ پاکستان میں کلچر کی ہمہ گیری اور بوقلمونی کے باوجود اس کی یکجہتی اور وحدت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کا تہذیب و ثقافت کے مباحث کے ضمن میں اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے اُن اصطلاحات کا استعمال نہیں کیا جن کے مفاہیم میں ابہام اور پیچیدگی کے عناصر موجود ہیں۔ انھوں نے کلچر کی اصطلاح کا استعمال واضح مفہوم میں کیا ہے اور کلچر کی تعبیرات و توضیحات بھی بڑی Clarity کے ساتھ کی ہیں۔ انھوں نے کلچر کو ایک پیچیدہ کُل کے طور پر ہی لیا ہے جس میں ایک سوسائٹی کے افراد کے اعتقادات، فنون لطیفہ (آرٹ)، علم، اخلاقیات،

قانون، رسومیات، رواج، آدرش اور افرادِ معاشرہ کی عادتیں، رویے اور صلاحتیں سبھی عناصر وعوامل شامل ہیں جو ایک فرد اپنے سماج سے اکتساب کرتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے کلچر کو داخلی و اندرونی صورتِ حال کے حوالے سے پیش کیا ہے جس میں انسانی برتاؤ کے تمام سانچے شامل ہیں جو پوشیدہ علامات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مذکورہ علامتیں انسانی طبقات یا گروہوں کے خاص کارناموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مذکورہ علامتوں کے ذریعے انسانی ہُنر اور صناعی کے کمالات اور نمونے متشکل ہوتے ہیں۔ کلچر اپنی اصل و ابعاد اور نہاد و نوعیت کے لحاظ سے اُن افکار سے تشکیل پاتا ہے جو تاریخی تناظرات میں جنم لیتے ہیں اور اقدار بھی انھی افکار سے تشکیل پاتی ہیں۔ کلچر کا نظام اعمال و افعال کو ایک طرف تو متاثر کرتا ہے تو دوسری طرف اعمال و افعال کی پیداوار کو مہمیز عطا کرتا ہے۔ کلچر ایک ایسا Behavior ہے جس میں معیارات کو خاص طور سے اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مذکورہ معیارات میں سبھاؤ اور برتاؤ کے وہ تمام اطوار شامل ہیں جو ایک آئیڈیالوجی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ کلچر میں زندگی کی تفریحات اور فن وغیرہ سبھی عناصر وعوامل شامل ہیں، جہاں سوسائٹی کی اقدار بھی کارفرما ہوتی ہیں۔ مذکورہ اقدار آفاق گیر اُصولوں (Principles) کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کی ضروریات کی بھی آئینہ داری کرتی ہیں۔ اسی طرح وہی کلچر اپنا تحفظ کرنے اور منتقلی کے عمل کو یقینی بناتا ہے جس میں پیش قدمی کا سامان ہوتا ہے جو جدید ترین ٹیکنالوجی کا بھی حامل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر اُردو کے اُن معدودے چند ناقدین میں شامل ہیں جنھوں نے کلچر کی تعبیرات کے حوالے سے سائنٹیفک انداز نقد و نظر سے کام لیا ہے۔ انھوں نے کلچر کی تفہیم بھی سائنٹیفک نقطۂ نظر سے کی ہے۔ کلچر کے مباحث کے ضمن میں اُن کی تحریروں میں وضاحت کا پہلو نمایاں انداز سے اجاگر ہُوا ہے۔ اس کے پیچھے اُن کے وسعتِ مطالعہ اور وسیع النظری کا عمل دخل دیکھنے کو ملتا ہے۔ انھوں نے کلچر کے حوالے سے جتنی بھی تحریریں حوالۂ قلم کی ہیں، اُن میں پیچیدگی اور ابہام کے بجائے Clarity کے عناصر اُن کی عالمانہ بصیرت و ادراک کا بین ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے معجزانہ قلم کا کرشمہ یہ ہے کہ اُنھوں نے Culture اور Civilization ایسی اصطلاحات کے بنیادی مفاہیم اور حدود و امتیازات کو بھی نہایت حسن و خُوبی سے واضح کیا ہے۔ انھوں نے مذکورہ اصطلاحات کے حدود و امتیازات کے حوالے سے فیض احمد فیض کے یہاں پائے جانے ابہام پر بھی اپنی رائے حوالہ قلم کی ہے، فیض صاحب نے Culture اور Civilization کو معنوی سطح پر باہم آمیز کردیا ہے جب کہ ڈاکٹر سلیم اختر نے دونوں اصطلاحات کے حدود و امتیازات کو نہایت عمدہ انداز سے واضح کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ تعریف خاصی وسیع ہے اور اس لیے اس قطعیت سے عاری ہے جو ایک تعریف کا خاص وصف ہوتی ہے کہ غیر ضروری اور فروعی عناصر کے اخراج سے حدود متعین ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں Culture اور Civilization کے مفاہیم میں جب تک امتیاز نہ کیا جائے، بات نہ بنے گی۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ فیض صاحب بعض اوقات مذکورہ اصطلاحات کو مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ زندگی کو اگر ایک قطعۂ اراضی سے تشبیہ دیں تو اس پر تعمیر ہونے والا مکان تہذیب ہوگا جب کہ اس کی نقاشی اور تزئین و آرایش کو کلچر قرار دیا جاسکتا ہے''۔

(۷) (ص. ۳۱۸)

ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اس پیچیدگی اور ابہام کو نہایت سہولت سے حل کر دیا ہے، جہاں Culture اور Civilization کے حدود و امتیازات کو واضح نہیں کیا جاتا۔ انھوں نے Culture کو داخلی یا اندرونی قرار دیا ہے جس کا اظہار افراد معاشرہ ذہنی و فکری سطح پر تخلیقی صورت میں کرتے ہیں اور یہ لہر زیریں سطح پر ہوتی ہے جب کہ Civilization کو انھوں نے بیرونی و خارجی ہی تصور کیا ہے۔ انسانی فکر کا اظہار جب خارجی یا بیرونی سطح پر ہوتا ہے تو اسے Civilization ہی تصور کیا جاتا ہے۔ مذکورہ مباحث میں اُردو کے اکثر ناقدین الجھے ہوئے نظر آتے ہیں جب کہ ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے Culture اور Civilization ایسے ادق مباحث کو نہایت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ انھوں نے اس پیچیدگی اور ابہام کو بھی دُور کیا ہے جو Culture اور Civilization ایسی اصطلاحات کے ضمن اکثر پیدا کر دیا جاتا ہے یا جسے عام فہم بنانے کی اکثر ناقدین کاوش ہی نہیں کرتے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نفسیاتی تنقید کا بڑا نام تو ہیں ہی Culture اور Civilization کے مباحث کے ضمن میں وہ ایک ماہر بشریات اور ماہر سماجیات کے طور سے ان کے ایک اور ممتاز اور نمایاں وصف سے بھی قارئین متعارف ہوتے ہیں اور مذکورہ مباحث کو سمجھنے میں اُن سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ اختر، سلیم (ڈاکٹر)۔ ۲۰۰۱ء۔ **ادب اور کلچر**۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز۔ (ص. ۳۰۹)

۲۔ ایضاً۔ (ص. ۳۱۰)

۳۔ ایضاً۔ (ص ص. ۳۱۲-۳۱۳)

۴۔ ایضاً۔ (ص ص. ۳۱۳-۳۱۴)

۵۔ ایضاً۔ (ص. ۳۱۴)

۶۔ ایضاً۔ (ص. ۳۱۶)

۷۔ ایضاً۔ (ص. ۳۱۸)